اداریہ:

عہد حاضر اور ہم

اس دنیا میں موجود اکثریت کا کوئی نہ کوئی مذہب ہے جو پیدائش سے موت تک اس پر حاوی رہتا ہے، انسانی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے مذہب انسانی زندگی میں مرکزی اہمیت کا حامل رہا ہے کرہ ارض پر مظاہر پرستوں، آتش پرستوں، شجر پرستوں، پتھر اور بت پرستوں حیوان پرستوں سے لے کر انسان اور اس کے مخصوص اعضاء کی پرستش کرنے والے موجود ہیں۔

بحیثیت مسلمان ہم اپنے نبی ﷺ کے الفاظ میں یہ دعویٰ رکھتے ہیں:

کل مولود یولد علی فطرتہ ثم أبواہ یھودانہ أوینصرانہ أو یمجاسنہ

کہ ہر شخص اللہ کی فطرت یعنی فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین، اس کا ماحول اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتا ہے۔لہٰذا سب سے زیادہ ہماری ذمہ داری ہے کہ دین فطرت کو فطری اسلوب میں حکمت کے ساتھ لوگوں تک پہنچائیں۔

عالمی گلوبلائزیشن اور تہذیبی تصادم کے نظریات سامنے آنے کے بعد بین المذاہب مکالمہ کی ضرورت واہمیت پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے، ظاہر ہے کہ یہ پیغام کانفرنسوں، لٹریچر اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ہی دوسروں تک پہنچایا جاسکتا ہے۔

مسلمان کا تعارف:

اسلام نام ہے سب کو تسلیم کرنے، سب کو برداشت کرنے، سب سے محبت کرنے کا، کوئی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام پر ایمان نہ لائے۔

کوئی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، جب تک وہ قرآن کریم کے ساتھ توریت زبور انجیل و دیگر آسمانی کتابوں وصحائف پر ایمان نہ لائے۔

آج ہر مسلمان اس پر عملاً کاربند ہے وہ کسی نبی یا کسی کتاب کی توہین نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کا نام محمد واحمد کے ساتھ یعقوب، ابراہیم، موسیٰ وعیسیٰ ومریم علیہم السلام رکھتا ہے، کسی مسلمان نے آج تک توریت، زبور، انجیل کو آگ نہیں لگائی، اس کی اہانت نہیں کی، اس پر پابندی لگانے کی بات نہیں کی، اسلام نے کسی غیر مسلم ذمی کے قتل کی اجازت نہیں دی، حتیٰ کہ اسے تکلیف پہنچانے کی بھی اجازت نہیں دی، بلکہ اس کے ساتھ معاشرتی امور میں معاونت وشمولیت کی اجازت دی ہے، صرف یہی نہیں بلکہ تمام غیر مسلم مذاہب اور ان کی حکومتوں سے مکالمہ ومعاہدہ کی اجازت اور حکم دیا گیا ہے۔

مکالمہ کی تاریخ:

البتہ یہ مکالمہ سرکاری وغیر سرکاری سطح پر حکمرانوں اور سیاست دانوں کے درمیان ہونا چاہئے یا مذہبی علماء کے درمیان ہونا چاہئے؟ مکالمہ کی بنیادیں طے شدہ ہونی چاہئیں یا غیر طے شدہ!

مکالمہ ہر عقیدہ اور ہر نکتہ پر کیا جاسکتا ہے یا مخصوص پہلوؤں پر؟ مکالمہ کے آداب وشرائط کیا ہونے چاہئیں؟ منعقدہ قومی کانفرنس میں ان سوالوں کا جواب لینا اور منہج متعین کرنا مقصود تھا، معزز قارئین محسوس کریں گے کہ اسکالرز نے اپنی وقیع آراء اردو، عربی، انگریزی میں پیش کردی ہے، اور کانفرنس کے عنوان کی تائیدی ہے۔

معروضی حالات کے سبب مکالمہ کے حوالہ سے مختلف نقطہائے نظر موجود ہیں، پہلا مطلقاً حق میں، دوسرا مشروط، تیسرا مطلقاً مخالفت میں، لیکن ہمارے نقطہ نظر کے مطابق مکالمہ ہی ہر مسئلہ کا حل ہے اور اس کا آغاز تخلیق آدم سے ہوتا ہے۔ تمام انبیاء کرامؑ نے مکالمہ کی سنت کو جاری رکھا بالخصوص عہد نبویؐ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ نے حاضر ہونے والے کئی سو وفود سے جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے مکالمہ کیا مکتوبات لکھے لیکن بعض مورخین کے مطابق مکالمہ کی اس روایت کا آغاز عالمی طور پر ۱۹۳۲ء میں ہوا، جب فرانس نے اپنے چند نمائندوں کو الازہر یونیورسٹی کے علماء سے اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے اتحاد پر گفتگو کرنے کیلئے بھیجا۔ اس کے بعد ۱۹۳۳ء میں پیرس کانفرنس منعقد کی گئی جس میں فرانس برطانیہ، سوئزرلینڈ، امریکہ، اٹلی، پولینڈ، اسپین، ترکی اور چند دوسرے ممالک کی تمام یونیورسٹیوں سے مشنریوں اور مستشرقین نے شرکت کی۔ ۱۹۳۶ء میں بعنوان: ''دنیا کے مذاہب کی کانفرنس'' دوسری جنگ عظیم سے قبل مذاہب پر ہونے والی آخری کانفرنس تھی، جس کے بعد یورپی ممالک کا دھیان ان

کانفرنسوں سے ہٹ گیا۔ ۱۹۶۴ء میں پوپ پاؤل ششم (Pope Paolo VI) نے ایک خط بھیجا جس میں انہوں نے مذاہب کے مابین مکالموں پر زور دیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۹ء میں ویٹیکن (Vatican) نے ''مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین مکالمے کیلئے رہنما اصول'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ ستر اور اسی کی دہائیوں کے درمیان تیرہ سے زیادہ مرتبہ بین المذہبی اور بین الثقافتی مکالمے کیلئے ملاقاتیں اور کانفرنسیں ہوئیں، جن میں سب سے مشہور بیلجیم میں ہونے والی ''مذہب اور امن'' کی دوسری عالمی کانفرنس تھی، جس میں دنیا کے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے چارسو افراد نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ اسپین کے شہر قرطبہ میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی، جس میں ۲۳ ممالک کے مسلمان اور عیسائی نمائندوں نے شرکت کی۔ یہ دونوں کانفرنسیں ۱۹۸۴ء میں منعقد کی گئیں۔ جس کے بعد ۱۹۷۹ء میں تیونس کے شہر کرتج میں ''عیسائی و مسلمان اسمبلی'' کا انعقاد ہوا۔

نوے کی دہائی سے بین المذہبی مکالمے پر زور دینے والے افراد پہلے کے مقابلے میں زیادہ سرگرم ہوگئے۔ انہوں نے ۱۹۹۳ء میں اردن میں ''عرب و یورپ کانفرنس'' منعقد کی، جس کے بعد ۱۹۹۴ء میں بین المذاہب مکالمے کیلئے خرطوم کانفرنس منعقد کی گئی۔ ۱۹۹۵ء میں دو کانفرنسیں ہوئیں، جس میں سے ایک سٹاک ہوم اور دوسری عمان میں ہوئی، اور ان دونوں کے بعد ۱۹۹۶ء میں ''اسلام اور یورپ'' کے عنوان سے اردن کی اہل البینین یونیورسٹی میں ایک کانفرنس ہوئی۔

مکالمہ بین المذاہب کی اہمیت وضرورت پر عالمی رہنماؤں کی آراء

اکتوبر ۲۰۰۶ء کے اواخر میں پاکستان کے دوروزہ سرکاری دورہ پر آئے ہوئے برطانیہ عظمیٰ کے ولی عہد شہزادہ چارلس نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ سابق صدر پاکستان پرویز مشرف اور وزیراعظم جناب شوکت عزیز صاحب سے ملاقات کی، ملاقات کے دوران فریقین نے دیگر امور کے علاوہ اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ دنیا کے مختلف مذاہب اور اقوام کے درمیان ڈائیلاگ ہونا چاہیے۔ اس کے ڈیڑھ ہفتہ کے بعد برطانیہ ہی کے وزیراعظم مسٹر ٹونی بلیئر بھی پاکستان کے سرکاری دورے پر آئے، اس دورے میں وہ پاکستان کے سابق صدر جنرل پرویز مشرف اور وزیراعظم شوکت عزیز سے ملے، مسٹر ٹونی بلیئر نے دورہ پاکستان کے دوران مختلف تقریبات میں اظہار خیال کرتے ہوئے اسلام کو ایک اعتدال پسند مذہب قرار دیا عیسائیت اور اسلام اور دوسرے بڑے بڑے مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ کی

ضرورت پر زور دیا۔

امریکہ کے سابق صدر جارج ڈبلیو بش نے مسلم ممالک کے سفیروں اور مسلم کمیونٹی کی نمائندہ شخصیات کے اعزاز میں حسب روایات 1427/2006ھ میں رمضان کے مقدس ماہ میں ''افطار ڈنر پروگرام'' میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا ''وقت آ گیا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے سے مکالمہ کریں اور مشترکہ اقدار جیسے خدا پر یقین، اپنے خاندان سے محبت، اعتدال پسندی اور ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کرنے کے رویوں کو فروغ دیں'' انہی دنوں پاپائے روم پاپ بنی ڈکٹ نے ویٹی کن میں مسلم نمائندوں کے ایک وفد سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں یہودیوں اور عیسائیوں کے مذاہب کے درمیان غلط فہمیاں اور منافرت پھیلانے والوں کا محاسبہ کرنا چاہئے ''ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنا اور یک دوسرے کا سنجیدگی سے جائزہ لینا ہوگا''۔ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل مسٹر کوفی عنان نے حال ہی میں مختلف ممالک کی نمائندہ شخصیات سے ملاقات کے موقع پر October 2006 میں بین المذاہب مکالمہ پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ''اسلام تحمل رواداری، بقائے باہمی، جیو اور جینے دو کے اصول کی تعلیم دیتا ہے''

پاکستان کے ممتاز دانشور محمود شام کے ایک مضمون کے مندرجات سے پتہ چلا ہے کہ امریکہ میں حضرت ابراہیمؑ کو مرکز بنا کر مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کو مذاکرات اور تبادلہ خیال کے ذریعہ ایک دوسرے سے قریب لانے کی تحریک زور پکڑ رہی ہے۔ ملائشیا کے ممتاز مسلم اسکالر ماہر تعلیم ڈاکٹر چندرا مظفر نے کچھ عرصہ پہلے اسلام آباد میں ''بین المذاہب ہم آہنگی اور ڈائیلاگ اور مسلمانوں کا ردعمل'' کے موضوع پر منعقدہ ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے تمام مذاہب کے درمیان مکالمہ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا ''دنیا کے تمام مذاہب انسانیت کا درس دیتے ہیں، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان باہمی محبت اخوت اور بھائی چارہ کو فروغ دیا جائے''، اس مقصد کے لئے لوگوں کے درمیان ڈائیلاگ (باہمی مذاکرات و تبادلہ خیال) وقت کی اہم ضرورت ہے، دین کا تصور معاشرہ کی بہتری کی راہ ہموار کرتا ہے۔ عیسائی، یہودی، ہندو، پارسی غرض ہر مکتبہ فکر کا اپنا اپنا کلچر ہے، قرآن کریم میں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ہم آہنگی پر زور دیا گیا ہے۔'' 2006 کے کرسمس ڈے کی مناسبت سے ایوان صدر میں عیسائی مذہب کی منتخب نمایاں شخصیات سے خطاب کرتے ہوئے سابق صدر مشرف نے مختلف مذاہب اور نظریہ رکھنے والے لوگوں

میں امن و آشتی کے قیام کے لئے ڈائیلاگ بین المذاہب کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا تھا۔ اس سے قبل بھی امریکی یہودیوں کی ایک تبلیغی ٹیم کی دعوت پر پرویز مشرف نے امریکہ میں بین المذاہب ڈائیلاگ کے موضوع پر خطاب میں بین المذاہب خاص طور پر مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین تعلقات کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ پاکستان کے مشہور و معروف دانشور، کالم نویس حامد میر نے امریکہ میں ایک سیمینار میں شرکت کی جہاں انہوں نے ڈائیلاگ بین المذاہب پر منعقدہ کانفرنس میں مسلمانوں کی نمائندگی کی، وہاں انہوں نے اسلام پر اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب دیا۔ پاکستان کی سابق وزیراعظم بےنظیر بھٹو شہید اور الطاف حسین سربراہ متحدہ قومی موومنٹ نے بھی کرسمس کے موقع پر عیسائیوں کو کرسمس کی مبارک باد کا پیغام دیتے ہوئے عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین ڈائیلاگ کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے توسط سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ، برطانیہ، روس جرمن، فرانس جاپان اور انڈیا سمیت دنیا کے تقریباً تمام ممالک کے علمی حلقوں میں آجکل ''مذاہب اور اقوام کے درمیان ڈائیلاگ'' مذاکرات اور باہمی گفت وشنید کی ضرورت کا تذکرہ زور شور سے ہو رہا ہے اور اس موضوع پر مختلف سطحوں پر مذاکرات اور کانفرنس میں شریک دانشوروں اور اہل علم کے درمیان اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ ''مذاہب، اقوام اور مختلف تہذیبوں کو آپس میں لڑنے جھگڑنے کے بجائے ایک دوسرے کو برداشت کرنے اور ایک دوسرے کو سننے سمجھنے اور باہم مل جل کر زندگی گزارنے کیلئے راہیں ہموار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔(۱)

رابطہ عالم اسلامی کے زیراہتمام مکالمہ بین المذاہب کانفرنس:

رابطہ عالم اسلامی کے زیراہتمام ۱۳ تا ۱۵ جولائی ۲۰۰۸ء، ۳ روزہ بین المذاہب مکالمہ پر ایک کانفرنس اسپین کے دارالحکومت میڈرڈ میں ہوئی۔ کانفرنس میں عالمی یہودی کانگریس کے جنرل سیکرٹری مثال شنیڈئیر اور عیسائی رہنما کارڈینل جین لوئس توران سمیت تمام مذاہب کے دوسو رہنما شریک ہوئے۔ کانفرنس کا افتتاح سعودی عرب اور اسپین کے بادشاہوں نے مشترکہ طور پر کیا۔ دونوں رہنماؤں نے اپنی تقاریر میں کہا کہ دنیا میں اعتدال اور رواداری کو فروغ دینے اور نفرت کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ شاہ عبداللہ نے کہا کہ وہ مکۃ المکرمہ سے امن کا پیغام لے کر آئے ہیں انہوں نے کہا کہ جنگیں مسائل کا حل نہیں ہوتیں، اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ انصاف کی آواز بلند ہو اور جنگ کے خطرات

کو مٹا دیا جائے۔ رابطہ عالم اسلامی کے سیکریٹری جنرل عبداللہ نے کہا کہ کانفرنس کا بنیادی مقصد عالم اسلام اور مغرب میں بڑھتی ہوئی خلیج کو کم کرنا ہے، شاہ عبداللہ نے کہا دہشت گردی کا اسلام سمیت کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا اسے کسی مذہب یا ملک سے نہ جوڑا جائے۔ دہشت گردی صرف دہشت گردی ہے اگر کوئی گروہ یا افراد اپنے مفادات کی خاطر اسلام کا نام لے رہے ہیں تو وہ اسلام کی نہیں اپنی ترجمانی کرر ہے ہیں۔ اس کانفرنس میں طے پایا کہ تمام مذاہب اور ان کی علامات کا احترام لازمی قرار دیا جائے اور توہین کرنے والے کے لئے سزا تجویز کی جائے۔ (۲) اس سے قبل سعودی عرب نے ۵۔ جون ۲۰۰۸ء میں مکہ میں سہ روزہ مکالمہ بین المذاہب کانفرنس کا انعقاد کیا تھا، جس سے سعودی حکمراں شہزادہ عبداللہ نے خطاب کیا تھا۔

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام بین المذاہب کانفرنس میں سعودی عرب کے شاہ عبداللہ نے مذہبی ہم آہنگی کے موضوع پر جن خیالات کا اظہار کیا اس سے مذہبی رواداری، برداشت اور ایک دوسرے کے ساتھ مثبت اقدام کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ شاہ عبداللہ نے کہا تمام مذاہب سلامتی کا درس دیتے ہیں، اس لئے تمام قوموں کو ماضی کی تلخیوں سے سبق سیکھتے ہوئے باہمی ہم آہنگی کی جانب رخ کرنا ہوگا۔ ان کا یہ کہنا مبنی بر حقیقت ہے کہ تمام دنیا میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کے شعلوں نے ہمیں جلا ڈالا ہے۔ ہمیں آگے بڑھ کر رابطے بڑھانے چاہئیں اور تمام مذاہب کے وجود کو تسلیم کرنا ہوگا، کیونکہ دنیا میں قیام امن کے لئے یہ ضروری ہے۔ کانفرنس میں ایرانی رہنما ہاشمی رفسنجانی نے کہا دوسروں سے مکالمہ کرنے سے پہلے ضروری ہے، شیعہ سنی آپس میں بات کریں اور افہام وتفہیم پیدا کریں، مزید کہا کہ ہمیں ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوط کرنا چاہئے اور ایک دوسرے کی حیثیت کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے۔ مذہبی ہم آہنگی کے لئے ہونے والی اس کانفرنس میں ۵۰ سے زائد ممالک کے سربراہان مملکت ۲۵۰۰ سے زائد وفود اور ۶۰۰ مسلمان دانش وروں نے شرکت کی اور مکالمہ کے اصول وضوابط طے کئے گئے۔

صدر آصف علی زرداری اور بین المذاہب کانفرنس ۲۰۰۸ء

پاکستانی صدر آصف علی زرداری نے کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی (اور مکالمہ بین المذاہب کو حوصلہ افزا عمل قرار دیا) دہشت گردی کے ضمن میں سعودی عرب کے شاہ نے جن حقائق کی

طرف توجہ دلائی ہے اس پر غور وخوض سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی فرقے اور مذہب میں دہشت گردی جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کا تعلق کسی مذہب سے ہے۔ بین المذاہب کانفرنس میں انہوں نے اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ میڈرڈ اسپین میں ہونے والے بین المذاہب مکالمے کی سفارشات کی روشنی میں عالمی کمیٹی قائم کرے، جو بین المذاہب محاذ آرائی ختم کرائے۔

شاہ عبداللہ کا مطالبہ یقینی طور پر مناسب ترین قرار دیا جائے گا، کیونکہ دنیا میں مذاہب کے نام پر ایک دوسرے سے نفرت، باہمی مناقشت، کھینچا تانی، کشمکش اور جنگ وجدل کا سلسلہ جاری ہے اور حالیہ بحران بھی قوموں کے درمیان تصادم کا نتیجہ ہے۔ کانفرنس میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر سیگل بروک مین نے مغربی اخلاقیات پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا، دنیا کو اس وقت مذہب کے مثبت اسباق سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی صدر کی یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ اجارہ دار مغربی کلچر کی اندھا دھند تقلید متعدد تنازعات کی جڑ ہے۔ بین المذاہب کانفرنس میں اردن کے شاہ اور اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بان کی مون نے بھی اپنے خطاب میں بین المذاہب، ہم آہنگی اور مختلف قوموں کے درمیان رواداری اور برداشت کی جس ضرورت پر زور دیا ہے اس پر عمل پیرا ہونے سے ہی دنیا میں پائیدار امن کا قیام ممکن ہے۔ ۱۲۔۱۳ نومبر ۲۰۰۸ء کو اقوام متحدہ نے جنرل اسمبلی کے اجلاس میں مذہبی حقوق کے احترام پر زور دیا۔

ڈیوڈ آر سماک لکھتے ہیں:

> بین المذاہب مکالمہ جو تعمیری ہو امن قائم کرتا ہے اور تصادم کی کیفیت تبدیل کر دیتا ہے۔ اس طریقہ کو ان پلوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جو بین المذاہب اختلافات کو ختم کرنے کے لئے تعمیر کئے جاسکتے ہیں۔

David R. Smock Editor, Inter faith Dialogue and Peace building.

گلن اعتراف کرتا ہے: قرآن کریم کی سیکڑوں آیات ہیں جو سماجی مکالموں اور رواداری کی بات کرتی ہیں، مزید لکھتا ہے: قرآن وسنت نے ہمیشہ رواداری پر زور دیا ہے، رواداری کا یہ مہربان سائبان نہ صرف اہل کتاب کو سایہ فراہم کرتا ہے بلکہ ایک طرح سے یہ تمام انسانوں کے لئے ہے: (۳)

۲۰۰۹ء میں جامعۃ الازہر کی جانب سے سہ روزہ مکالمہ بین المذاہب انٹرنیشنل کانفرنس

منعقد کی گئی، جس میں دنیا بھر سے محققین کو دعوت خطاب دیا گیا، راقم چیف ایڈیٹر (ڈاکٹر صلاح الدین ثانی) پروفیسر ڈاکٹر احمد جان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اور ڈاکٹر اکرام الحق نے شیخ الازہر کی دعوت پر شرکت کی۔ (اس کانفرنس کی روداد سابقہ مجلہ میں شائع ہو چکی ہے)

ضرورت اس امر کی ہے کہ بین المذاہب کانفرنس کے مندوبین اپنے کہے ہوئے الفاظ پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں اور مذہب کے نام پر ان متنازعہ مسائل کے حل پر زور دیں جو عالمی سطح پر نزاع کا باعث بن رہے ہیں۔ ان میں فلسطین اور کشمیر کے کلیدی مسائل کا حل ضروری ہے، جن سے مستقل اور پائیدار عالمی امن وابستہ ہے۔ (۴)

یورپ میں مروجہ مکالمہ پر تحفظات:

مولانا عبدالرؤف فاروقی تحریک حزب التحریر کی کتاب "خطرناک تصورات" کے حوالہ سے یورپ میں رائج مکالمہ کے اہداف کو درست نہیں سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں بین المذاہب و بین الثقافتی مکالموں کے نام پر اسلام اور یورپ کے مابین ہونے والی کانفرنسوں میں جو تجاویز پیش کی گئیں ہیں، ان میں سے چیدہ چیدہ تجاویز مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کفر، دہریت، شرک، ایمان، اسلام، اعتدال، انتہاپسندی اور بنیاد پرستی جیسے الفاظ کے نئے معنی ترتیب دیے جائیں اور اپنایا جائے تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ یہ الفاظ مختلف مذاہب کے لوگوں کی باہمی تفریق کا باعث نہ بنیں۔

۲۔ تینوں مذاہب (یعنی اسلام، عیسائیت اور یہودیت) کے عقیدہ، اخلاقیات اور ثقافت میں مشترکہ عناصر کی نشاندہی کی جائے ان مذاہب اور ثقافتوں کے درمیان مثبت تعاون پر خاص زور دیا جائے، کیونکہ تمام اہل کتاب ایمان والے ہیں اور سب اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

۳۔ انسانی حقوق پر مشترکہ دستاویز تیار کی جائے تاکہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے مابین امن اور ہم آہنگی پیدا کی جائے ایسا ممکن بنانے کیلئے اس احساس کو مٹانا ہوگا کہ مختلف مذاہب کے درمیان خون کی دیوار حائل ہے اور مختلف لوگوں کو اپنی الگ الگ ثقافتوں اور مختلف ممالک کی اپنی جدا جدا پالیسیوں کے تصور کو ختم کرنا ہوگا۔

۴۔ تاریخ اور تعلیم کے نصابوں پر نظر ثانی کی جائے تاکہ انہیں نفرت اور اشتعال انگیز مواد سے

پاک کیا جاسکے۔ مذہبی تعلیم کو بنیادی انسانی تعلیم کا حصہ سمجھا جائے گا جن کا مقصد ایسی شخصیتیں پیدا کرنا ہوگا جو مختلف ثقافتوں کو اپنا سکیں اور دوسرے لوگوں کو بخوبی سمجھ سکیں۔ چنانچہ مطالعے کو مخصوص اعتقاد اور عبادات تک محدود کرنے کے عمل کو رد کرنا ہوگا۔

۵۔ عدل، امن، عورتوں کے حقوق، انسانی حقوق، جمہوریت، تکثیریت (Plaurlism)، کام کاج کے اخلاقی ضابطوں، آزادی، عالمی امن، پرامن بقائے باہمی، مختلف ثقافتوں کی طرف سے دل کو کھلا رکھنا اور سول سوسائٹی جیسے تصورات کے مطالعے کو فروغ دیا جائے اور ان کے متعلق مشترکہ آراء قائم کی جائیں۔ (۵)

مذہب کے تصور اور مکالمہ بین المذاہب پر تحفظات:

مولانا زاہد الراشدی صاحب کی جانب سے ''مکالمہ بین المذاہب'' کے عنوان پر کی جانے والی گفتگو کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، جس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں: مذہب کے حوالہ سے تین دائرے ہیں۔

☆ مذہب کا ایک دائرہ یہ ہے کہ سرے سے مذہب کی کوئی ضرورت انسان کو فرد یا معاشرے کی سطح پر ہے بھی یا نہیں؟ دنیا میں ایسے لوگ اور طبقات کثیر تعداد میں موجود ہیں جو مذہب کو سرے سے انسان کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، بلکہ اس کی نفی کرتے ہیں، اسے انسان کے لئے نقصان دہ تصور کرتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے ساتھ مختلف دائروں میں مکالمہ جاری ہے، مگر یہ مکالمہ مذاہب کے درمیان نہیں بلکہ مذہبیت اور لامذہبیت کے درمیان ہے لیکن کچھ مخصوص مقاصد کے لئے اسے مکالمہ بین المذاہب کے عنوان کے دائرے میں لایا جارہا ہے۔

☆ دوسرا دائرہ یہ ہے کہ مذہب اگر انسان کے لئے ضروری اور فائدہ مند ہے تو کیا یہ صرف فرد کے فائدہ یا ضرورت کی چیز ہے یا انسانی سوسائٹی اور معاشرہ کے لئے بھی اس کی افادیت و ضرورت موجود ہے، موجودہ انسانی سوسائٹی میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو فرد کے لئے تو مذہب کی ضرورت وافادیت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن سوسائٹی اور معاشرے سے اس کو لاتعلق رکھنا چاہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ فرد کے لئے مذہب فائدے اور ضرورت کی چیز ہو سکتی ہے، لیکن مذہب کو سوسائٹی اور معاشرے کے اجتماعی معاملات میں دخیل نہیں ہونا چاہئے، آج کے تمام مغربی فلسفے کی بنیاد اسی تصور پر ہے، انقلاب فرانس کے ساتھ مذہب کے معاشرتی کردار کی نفی کی گئی تھی اور مغرب نہ صرف خود مذہب

کو سوسائٹی کے اجتماعی معاملات سے بے دخل کئے ہوئے ہے، بلکہ ہم سے بھی تقاضہ کر رہا ہے کہ ہم مذہب کے معاشرتی کردار سے دست بردار ہو جائیں، چند سال قبل واشنگٹن میں میرے قیام کے دوران کچھ دوست مجھے ملے، جنہوں نے اپنا تعلق اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے کسی شعبہ سے بتایا اور کہا کہ دنیا بھر کے انسانی معاشروں میں مذہب کی واپسی کا رجحان بڑھ رہا ہے اور ہم بعض حلقوں کی اس تشویش پر کام کر رہے ہیں کہ سوسائٹی میں واپس آ کر مذہب کہیں پھر سے اجتماعی معاملات میں لازماً دخیل تو نہیں ہو جائے گا؟ اس سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے، میں نے عرض کیا کہ اگر وہ واقعتاً مذہب ہوا تو دخیل ہوگا اس لئے کہ مذہب صرف فرد کی راہنمائی نہیں کرتا بلکہ سوسائٹی کی راہنمائی بھی اس کے کردار کا حصہ ہے۔

☆ مذہب کا تیسرہ دائرہ یہ ہے کہ موجودہ معروضی حالات میں انسانی سوسائٹی کی راہنمائی کے لئے کون سا مذہب زیادہ صلاحیت اور قوت رکھتا ہے اور اس وقت انسانی سوسائٹی میں موجود مذاہب میں سے کس کے بارے میں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ مستقبل میں انسانی سوسائٹی کی قیادت کرے گا؟

یہ نظری بات نہیں بلکہ عملی مسئلہ ہے، مذاہب کو انسانی سوسائٹی میں اپنا اپنا کردار ادا کرنے کی آزادی دی جائے، ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور کھلے مقابلہ کا ماحول بحال کر دیا جائے، جس مذہب کے پاس وحی آسمانی کی اوریجنل تعلیمات موجود ہوں گی اور جو انسانی فطرت کے زیادہ قریب ہوگا وہ اس مقابلہ میں آگے بڑھے گا اور انسانی سوسائٹی کی قیادت سنبھال لے گا۔(٦)

مزید لکھتے ہیں مکالمہ بین المذاہب کے حوالہ سے گفتگو کو پانچ درجوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

☆ جب کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ اپنی موجودہ پوزیشن کے دفاع اور اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ کے طور پر کچھ نہ کچھ ضرور کہتا ہے اور تھوڑی بہت بحث ہوتی ہے، جسے میرے خیال میں مکالمہ بین المذاہب کی ابتدائی سطح قرار دیا جا سکتا ہے اور قرآن کریم میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت اور ان کی قوموں کی طرف سے جواب کے جو بیسیوں واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں اسی مکالمہ کا ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ کے جس پیغمبر نے بھی اپنی قوم کو توحید، رسالت اور قیامت کو بطور عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دی ہے، ان کی قوم نے اس کا جواب دیا ہے اور اس دعوت کو قبول نہ کرنے کی وجہ بیان کی ہے جس کا حضرات انبیا علیہم السلام

کی طرف سے جواب دیا گیا ہے۔ آپ اس پہلو سے قرآن کریم کا مطالعہ کریں گے تو ایک بات آپ کو ان سب میں قدر مشترک کے طور پر دکھائی دے گی، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہر پیغمبر کو جواب دیتے ہوئے دو باتیں کہی گئی ہیں، ایک یہ کہ ہمارے جیسا انسان پیغمبر کیسے ہوسکتا ہے؟ اور جب ہم مرنے کے بعد خاک میں مل جائیں گے تو قبروں سے ہمیں دوبارہ کیسے اٹھایا جاسکے گا؟ یہ دو باتیں آپ کو تمام قوموں میں مشترک دکھائی دیں گی مثلاً فرعون کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی اور نشانی کے طور پر معجزات پیش کیے تو اس نے اس دعوت کو رد کرتے ہوئے کہا کہ یہ صاحب جادو کے ذریعے ہمیں ہمارے ملک اور اقتدار سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور ہماری مثالی تہذیب و ثقافت کو ختم کرنے کے درپے ہیں، اس قسم کا مکالمہ آپ کو قرآن کریم میں سینکڑوں مقامات پر ملے گا۔

☆ مختلف مذاہب کے افراد کے درمیان مکالمہ کا دوسرا مرحلہ یہ ہے جب وہ ایک دوسرے پر اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کے لئے بحث کرتے ہیں اور دلائل دیتے ہیں تو اسے عام اصطلاح میں مناظرہ کہا جاتا ہے لیکن قرآن کریم نے اس کو مجادلہ قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ اگر وہ غیر مسلموں کے ساتھ اپنے دین کی حقانیت کے بارے میں بحث و جدال کریں تو اس میں اچھا اسلوب اختیار کریں۔

☆ قرآن کریم میں اس مکالمہ و مباحثہ کی مثالیں بھی موجود ہیں، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ مکالمہ، جس میں قوم کے سردار لاجواب ہوئے، وقت کے بادشاہ نمرود کے ساتھ اس کے دربار میں مکالمہ، جس میں نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کے سامنے مبہوت ہوکر رہ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ آذر کے ساتھ مکالمہ جس کے نتیجے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے وطن اور قوم سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی اور اسی طرح فرعون کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا متعدد بار مکالمہ اور دیگر بہت سے مکالمات اسی نوعیت کے مکالمے کی مختلف صورتیں ہیں۔ یہ مکالمہ کبھی تو دو افراد کے مابین دوبدو گفتگو کی صورت میں ہوتا ہے جیسا کہ مناظرہ کی معروف صورت ہے اور کبھی اس طور پر بھی ہوتا ہے کہ ایک مشترکہ عوامی اجتماع میں مختلف مذاہب کے رہنما متعلقہ موضوعات پر اپنے طور پر اظہار خیال کرتے ہیں اور فیصلہ عوام پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اس قسم کا مکالمہ ہمارے ہاں کم و بیش ڈیڑھ صدی قبل ''میلہ خداشناسی'' کے نام سے ملتا ہے، جس میں مختلف مذاہب کے رہنما بہت بڑے عوامی اجتماع کے سامنے اپنے مذہب کی خصوصیات، خوبیوں اور حقانیت پر گفتگو کرتے تھے اور یہ سلسلہ کئی روز

تک چلتا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے اکابر دیوبند کے معرکۃ الآراء خطابات کا ذکر اس میلہ خدا شناسی کے حوالے سے تاریخ میں ملتا ہے اور بعض خطابات آج بھی محفوظ صورت میں موجود ہیں (جس میں مباحثہ شاہجہاپور، مباحثہ رڑکی وغیرہ شامل ہیں) یہ مکالمہ اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے اور دلائل کے ساتھ لوگوں کو قائل کرنے کے لئے ہوتا ہے اور ہر دور کی طرح آج بھی اس کی ضرورت و اہمیت مسلم ہے۔

☆ مختلف مذاہب کے رہنماؤں کے درمیان مکالمہ اور گفتگو کا ایک مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مذہب کے افراد اپنے مذہب پر کاربند رہیں، لیکن ایک سوسائٹی میں اکٹھے رہنے کی صورت میں باہمی معاملات کی حدود طے کرلیں تاکہ آپس میں تصادم نہ ہو اور سب مل جل کر امن و امان کے ساتھ رہ سکیں، اس کے لئے "میثاق مدینہ" کو ایک "آئیڈیل معاہدہ" کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے جس میں ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے، مذاہب کے اختلاف کے باوجود اکھٹے رہنے کی قابل قبول معاشرتی صورت اختیار کی گئی ہے اور باہمی معاملات کی حدود کار طے کی گئی ہیں۔ یہ مکالمہ اور گفتگو ہر دور کی ضرورت رہی ہے اور رہے گی۔ میرے خیال میں دستور پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ معاملات کا جو فریم ورک طے کیا گیا ہے وہ بھی اسی نوع کا مکالمہ ہے اور چونکہ آج کے دور میں دنیا کے کم وبیش ہر حصے میں مختلف مذاہب کے افراد کے درمیان معاشرتی تعلقات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اس لئے مکالمہ کی ضرورت و اہمیت بھی بڑھتی جارہی ہے کہ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے باہمی معاشرت کے اصول وضوابط طے کئے جائیں مکالمہ اور گفتگو کے ذریعے باہمی برداشت، تحمل اور تعلقات کار کی حدود کا تعین کیا جائے۔

☆ مکالمہ بین المذاہب کا ایک چوتھا درجہ اور مرحلہ بھی ہے جس پر صدیوں سے کام ہوتا آرہا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ مختلف مذاہب کی باتوں کو جمع کر کے ایک مشترکہ مذہب تشکیل دیا جائے اور ایسا کرنے والوں کا خیال ہے کہ تمام مذاہب کی سچائیوں اور خوبیوں کو ایک ہی مذہب کی صورت میں جمع کرلیا جائے۔ ماضی میں مغل حکمراں اکبر بادشاہ نے "دین الٰہی" کے نام سے جو نیا مذہب تشکیل دیا تھا اس کی بنیاد اسی تصور پر تھی۔ چونکہ اس کی رعیت میں مختلف مذاہب کے لوگ کثیر تعداد میں شامل تھے اس لئے یہ اس کی سیاسی ضرورت بھی تھی کہ ان مذاہب کے الگ الگ تشخص کو کسی ایک مذہب میں تحلیل کر کے ایک نیا اور مشترکہ مذہب پیش کردیا جائے۔ اکبر بادشاہ کو اس مقصد میں

کامیابی نہ ملی اور اس کے بعد یہ پرچم ایران کے بہائیوں نے اٹھالیا۔ مرزا بہاء اللہ شیرازی کے پیروکاروں کا کہنا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور تمام مذاہب کی سچائیاں مرزا بہاء اللہ شیرازی کی تعلیمات میں (نعوذ باللہ) اس طرح سمودی گئی ہیں جیسے تمام دریا سمندر میں آ کر مل جاتے ہیں اور اس طرح بہائی مذہب اس کے پیروکاروں کے نزدیک ''وحدت ادیان'' کا علمبردار ہے۔ ایک بار شکاگو میں بہائیوں کے مرکز میں جانے کا موقع ملا تھا وہاں ہم نے دیکھا کہ مرکز کے بڑے ہال کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی مسجد، ہندوؤں کا مندر، سکھوں کا گوردوارہ، عیسائیوں کا گرجا اور یہودیوں کا سینی گاگ وغیرہ بنائے ہوئے ہیں، اس مرکز کے ذمہ دار حضرات کا کہنا تھا کہ ہم تمام مذاہب کے لوگوں کو ایک چھت کے نیچے اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق عبادت کا موقع فراہم کر کے ''وحدت ادیان'' کی عملی شکل پیش کر رہے ہیں۔

وحدت ادیان اور اتحاد بین المذاہب کے عنوان سے آج بھی دنیا کے مختلف حصوں میں کام ہو رہا ہے، اس پر بین الاقوامی کانفرنسیں ہوتی ہیں اور یہ تصور دیا جا رہا ہے کہ تمام مذاہب کی سچائیاں اور خوبیاں ایک جگہ جمع کر لی جائیں اور جھگڑے کی باتوں کو چھوڑ دیا جائے، جس کی ایک مثال یہ ہے کہ توحید خالص پر چونکہ مختلف مذاہب میں تنازعہ ہے اس لئے اسے زیر بحث نہ لایا جائے اور بعض اخلاقیات پر سب مذاہب متفق ہیں اس لئے انہی کو مذہب کی بنیاد بنالیا جائے اور وہیں تک مذہب کو محصور رکھا جائے۔ ظاہر بات ہے کہ جب باہمی تنازع اور اختلاف کی ہر بات کو ترک کرنا ہوگا تو توحید سمیت بہت سے بنیادی عقائد سے دست برداری اختیار کرنا ہوگی اور چند انسانی اخلاقیات سے ہٹ کر کسی بات پر سب مذاہب کے پیروکاروں کا متفق ہونا ممکن نہیں ہے اس لئے مذہب صرف متفقہ اخلاقیات کا نام رہ جائے گا۔

مکالمہ بین المذاہب کی پہلی تینوں صورتوں کی درجہ بدرجہ ضرورت تسلیم کرتے ہوئے اس چوتھی صورت اور پہلو کو قبول کرنے سے ہم صراحتاً انکار کرتے ہیں کیونکہ اس کو قبول کرنے کا مطلب اسلام کے جداگانہ تشخص اور اس کے بنیادی عقائد سے خدانخواستہ دست برداری ہے اس لئے کوئی مسلمان اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

ہمیں اس سلسلے میں قرآن کریم سے واضح رہنمائی ملتی ہے جب قریش مکہ نے نبی اکرم ﷺ کو اجتماعی طور پر پیش کش کی کہ آپ ہمارے بتوں کی نفی کرنا چھوڑ دیں اور ہم آپ کے دین کے بارے

میں کچھ لچک پیدا کر لیتے ہیں اور مل جل کر گزارہ کر لیتے ہیں تو قرآن کریم میں سورۃ الکافرون کے ذریعے اس پیش کش کو کلیتاً مسترد کر دیا گیا اور ہمیشہ کے لئے اعلان کر دیا گیا کہ عقیدہ کے بارے میں کسی قسم کی کوئی لچک یا ایڈجسٹمنٹ قابل قبول نہیں ہے۔

☆ ''مکالمہ بین المذاہب'' کی ایک پانچویں شکل بھی ہے جس پر آج کی دنیا میں عالمی سطح پر سب سے زیادہ کام ہو رہا ہے، لیکن میرے نزدیک یہ مکالمہ کے بجائے دجل و تلبیس کی ایک صورت ہے جسے سمجھنا علماء کرام اور دینی کارکنوں کے لئے انتہائی ضروری ہے، اس لئے کہ عالمی سطح پر جوں جوں تہذیبی کشمکش بڑھ رہی ہے مکالمہ بین المذاہب کے عنوان سے اس کی شدت کو کم کرنے کی کوششوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے لیکن یہاں ایک بات بنیادی طور پر قابل توجہ ہے کہ موجودہ عالمی کشمکش جو سیاسی، معاشی اور عسکری ہونے کے ساتھ ساتھ فکری اور ثقافتی کشمکش بھی ہے دراصل یہ مذاہب کے درمیان نہیں ہے بلکہ مغرب کے فکر و فلسفہ اور اسلام کے درمیان بڑھتے ہوئے تصادم کو فکری اور نظریاتی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ جنگ مذاہب کے درمیان نہیں بلکہ ''مذہب اور لامذہبیت'' کے درمیان ہے۔ ایک طرف مغرب کا فکر و فلسفہ ہے جس کی بنیاد مذہب کے اجتماعی اور معاشرتی کردار کی نفی پر ہے اور دوسری طرف اسلام ہے جو دین کو معاشرہ، ریاست اور حکومت تینوں کی اساس قرار دیتا ہے۔

اس کشمکش میں مسیحیت کا بطور مذہب کوئی کردار نہیں ہے اور اگر مسیحی مذہب کے کسی ممکنہ کردار کو تلاش کیا جائے تو وہ بائبل کی تعلیمات کی روشنی میں لامذہبیت کے خلاف مذہب کے معاشرتی کردار کی حمایت کا بھی ہو سکتا ہے اس لئے موجودہ عالمی فکری و تہذیبی کشمکش کو مذاہب کے درمیان کشمکش قرار دے کر اسے باہمی مکالمہ کے ذریعے کم کرنے کی بات ایک دھوکا اور فریب کے سوا کچھ نہیں ہے، مغرب کی لامذہبیت اسلام کے مقابلے میں خود کو بے بس محسوس کرتے ہوئے اب مسیحی مذہب کی آڑ لینے کی کوشش کر رہی ہے اور بہت سے مسیحی مذہبی رہنما مسیحی مذہب کے بجائے مغرب کی لامذہبیت کے دفاع کے لئے کوشاں نظر آ رہے ہیں۔ مجھ سے چند سال قبل پاکستان کے ایک مسیحی رہنما نے کہا کہ آپ سے انسانی حقوق کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں، میں نے ان سے گزارش کی کہ میں آپ سے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے کہ میں آپ کو انسانی حقوق کے عالمی فورم کا نمائندہ تسلیم نہیں کرتا، انسانی حقوق کے موجودہ بین الاقوامی فریم ورک کی نمائندگی سیکولر قوتوں کے پاس ہے اس لئے اس حوالہ سے بات جب بھی ہوگی انہی سے ہوگی، پادری صاحبان کے ساتھ گفتگو کا موضوع انسانی

حقوق نہیں بلکہ بائبل کی تعلیمات ہیں کیونکہ وہ بائبل کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان سے اسی حوالے سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔

آج کی عالمی فکری و تہذیبی کشمکش کے حوالے سے مکالمہ بین المذاہب کو فروغ دینے میں فریب کاری کا ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ اس مکالمہ میں سب سے زیادہ زور مذہبی شدت پسندی کو کم کرنے اور مذہب کے لئے طاقت کے استعمال کو ترک کرنے پر دیا جاتا ہے، جس کا واحد مقصد دنیا کے مختلف حصوں میں مسلم مجاہدین کی اس جدوجہد کی نفی کرنا ہے جو وہ مغرب کے لادینی فلسفہ و نظام کے تسلط کی راہ میں مزاحمت کے طور پر کر رہے ہیں۔ اس مکالمہ کی غرض صرف اتنی ہے کہ مسلم علماء اور دانشوروں کو مجاہدین کی اس مزاحمتی جدوجہد کی نفی اور مذمت پر تیار کیا جائے تاکہ جو تھوڑی بہت مزاحمت پائی جاتی ہے، اسے بھی ختم کیا جاسکے۔

کچھ عرصہ قبل ایک مکالمہ میں شرکت کی دعوت دی گئی تو میں نے عرض کیا کہ اس بارے میں میرے دو تحفظات ہیں، ایک یہ کہ یہ مکالمہ اس کے اصل فریقوں یعنی مسلم علماء اور مسیحی مذہبی رہنماؤں میں ہونا چاہئے، اس مکالمے کے اصل فریق صدر بش، ٹونی بلیئر، حسنی مبارک یا پرویز مشرف نہیں بلکہ پاپائے روم، آرچ بشپ آف کنٹربری، شیخ الازہر اور امام حرمین جیسی مذہبی شخصیات ہیں۔ اس مکالمے کو حکومتوں کے درمیان لے جانا یا حکومتوں کے زیر سایہ اس مکالمہ کو بڑھانا ''مکالمہ بین المذاہب'' نہیں بلکہ سیاسی مقاصد کے لئے مکالمہ کا استعمال تصور ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کا ایجنڈا یکطرفہ اور ادھورا ہے، اس میں صرف مذہب کے مبینہ طور پر غلط استعمال کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔ ہمیں اس پر گفتگو سے انکار نہیں ہے اور ہم اس پر کھلے دل و دماغ کے ساتھ مباحثہ کے لئے تیار ہیں لیکن اس کے ساتھ اس موضوع کے دوسرے پہلو پر گفتگو بھی ہمارے نزدیک ضروری ہے، وہ یہ کہ اجتماعی اور معاشرتی امور میں مذہبی کردار کی نفی سے انسانی سوسائٹی پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟ اور مذہب کے معاشرتی کردار کی نفی سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل کیا ہے؟ مغرب ہم سے مذہب کے (اس کے بقول) غلط استعمال پر بات کرنا چاہتا ہے اور ہم اس سے مذہب کے معاشرتی کردار کی نفی کے نتائج پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں، مکالمہ دونوں موضوعات پر ہو اور اصل فریقوں کے درمیان ہو تو ہم ہر وقت اس کے لئے حاضر ہیں لیکن اگر مغرب اس مکالمہ کو اپنی ثقافتی یلغار کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس سے یکطرفہ مقاصد حاصل کرنے کا خواہشمند ہے تو ہم اس کو ''مکالمہ بین المذاہب'' کے طور پر قبول کرنے سے انکار

کرتے ہیں۔

یہ آج کے عالمی تناظر میں ''مکالمہ بین المذاہب'' کے حوالے سے کی جانے والی کوششوں کے چند اہم پہلو ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم معاملات کو اس کے اصل تناظر میں صحیح طور پر سمجھتے ہوئے صحیح لائحہ عمل اختیار کریں۔(۷)

مکالمہ کے فروغ میں درپیش مشکلات:

مکالمہ کے فروغ میں جو مشکلات ہیں انہیں مختصر نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے:

☆ غیر مسلموں کے مذہبی علماء اور مسلمانوں کے بعض ناسمجھ مذہبی علماء۔
☆ امریکی استعمار سے نفرت
☆ مغربی این جی اوز کی غیر مسلموں کی جانب سے سرپرستی
☆ مغرب کی پروردہ پاکستانی این جی اوز
☆ مسلمان مذہبی علماء کی دیگر مذاہب سے عدم واقفیت
☆ پاکستان کے غیر مسلموں کا تعلیم یافتہ نہ ہونا اور خود اپنے مذہب سے عدم واقفیت (بالخصوص ہندوؤں کا)
☆ خطہ میں جب تک امریکہ موجود ہے لوگوں کو مکالمہ کے لئے تیار کرنا مشکل مسئلہ ہے۔
☆ مکالمہ کے حوالہ سے لٹریچر کی کمی، جب تک مکالمہ پر لٹریچر وجود میں نہیں آتا مکالمہ کے لئے ماحول نہیں بن سکے گا۔
☆ جب تک سیمینارز اور کانفرنسوں کا انعقاد نہیں ہوگا اہل علم کے درمیان مکالمہ کا ماحول نہیں بن سکے گا۔
☆ مناسب ہوگا مکالمہ کے امکانات کے فروغ کے لئے دینی مدارس میں ''مطالعہ مذاہب'' کو بحیثیت سبجکٹ پڑھایا جائے۔
☆ حکومت کو متوجہ کیا جائے کہ وہ مکالمہ کے فروغ کے لئے ایسے پروگراموں کا ہر سطح پر بکثرت انعقاد کرے۔
☆ بین المذاہب مکالمہ کے ساتھ بین المسالک مکالمہ کو فروغ دیا جائے۔
☆ ہم بحیثیت مسلمان سمجھتے ہیں، مسلمانوں کا رویہ غیر مسلموں کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے

مطابق نہیں ہے، بلکہ ہمارا رویہ وہ ہے جو ہندو اپنی نچلی ذات کے ہندوؤں کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہیں یا سفید فاموں نے ماضی میں سیاہ فاموں کے ساتھ روا رکھا ہے یا کہا جائے ہمارا رویہ جزباتی ردعمل پر مبنی ہے۔ بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری ہے ان کے ساتھ حسن سلوک کریں، اور اسلام نے انہیں بحیثیت شہری و ذمی جو حقوق عطا کئے ہیں، اگر ان کے ساتھ اس حوالہ سے حق تلفی ہو یا کی جائے تو ہمیں بھی ان کے ساتھ مل کر ہر سطح پر ہم آواز ہونا چاہئے۔ ہمیں ہر سطح پر بحیثیت مسلمان ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے زبانی، قلمی و عملی بنیادوں پر صدا بلند کرنی چاہئے۔

☆ غیر مسلموں کے ساتھ میل جول میں اضافہ کرنا چاہئے تاکہ مغربی و مشنری پروپیگنڈہ کا ازالہ ہو اور ان میں اس ملک کا مخلص شہری ہونے کا جزبہ پروان چڑھے بالخصوص مذہبی علماء کو اس پر توجہ دینی چاہئے۔

مکالمہ کے فروغ کے لئے چند توجہ طلب امور:

☆ مکالمہ کو فروغ دینے کے لئے مذہبی سیمینارز اور کانفرنسوں میں غیر مسلموں کو مدعو کیا جائے۔

☆ دینی اداروں و شعبوں میں غیر مسلموں کو مدعو کیا جائے۔

☆ غیر مسلموں کو سمجھنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے بحیثیت مبصر و سامع دعوت دی جائے۔

☆ جن افراد نے (خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں) مکالمہ پر کسی بھی درجہ میں کام کیا ہو، ان سب کو یکجا کر کے تجاویز لی جائیں جو یقیناً عملی ہوں گی۔

☆ دینی مدارس میں ''مطالعہ مذاہب'' کو بحیثیت سبجکٹ شامل کیا جانا چاہئے تاکہ قرآن کو بہتر انداز میں سمجھنے کے ساتھ اردگرد کے مروجہ مذاہب اور ان کی نفسیات کو بہتر انداز میں سمجھ کر تبلیغ کا حق حکمت کے ساتھ ادا کر سکیں۔

☆ مسلمانوں کو غیر مسلموں کے عام تہوار اور ان کی خوشیوں و غم میں شریک ہونا چاہئے (ماسوا مشرکانہ محافل کے)

☆ غلط فہمیاں و خدشات جتنی جلد دور ہو جائیں یا کم ہو جائیں مکالمہ اتنی جلد فروغ پا جائے گا۔

☆ غلط فہمیاں دور کرنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ ہم خود اسلام کے عطا کردہ غیر مسلموں کے

حقوق کی بات کریں۔

اسلام ہر فرد کو اس کے مذہب، عزت، مال جان وغیرہ کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، جو کہ آج کسی مسلمان کو بھی حاصل نہیں ہے، لیکن جب مسلمان ان حقوق کے حصول میں غیر مسلموں کے ہم نوا ہوں گے تو یقیناً انہیں اسلام کے قریب لانے اور خود انہیں اسلام کو سمجھنے کا موقع ملے گا جو کہ مکالمہ کے ذریعہ مزید موثر ثابت ہوگا۔

مکالمہ بین المذاہب کے فروغ کے لئے ہماری کوششیں

مختلف مذاہب کے درمیان بات چیت کا نام مکالمہ ہے، اور یہ مکالمہ مختلف مذاہب کے علماء مساویانہ انداز میں منعقد کرتے ہیں۔ جس کا بنیادی مقصد ایک دوسرے کے بارے میں اپنے فہم کو بہتر بنانا اور ایک دوسرے کے قریب آنا اور اپنا موقف دوسرے تک پہنچانا ہوتا ہے۔ جس سے باہمی خدشات کا خاتمہ کرنا یا اس میں کمی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مکالمہ کے ذریعہ روشن امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

آج ضرورت ہے مکالمہ کی بنیادیں (تاریخ، روایات، سیاست والزامات کے بجائے) خود مذہبی کتب مقدسہ واُسوہ اُنبیاء کو بنایا جائے۔ مغرب کے قائم کردہ منہج سے ہٹ کر مکالمہ کی بنیادیں رائج کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ یہ مکالمہ کیسے کیا جائے؟ کون کرے گا؟ کن پہلوؤں پر مکالمہ ممکن ہے؟ مکالمہ کے کیا فوائد ہیں؟ ان سوالوں کے تفصیلی جوابات دینے کیلئے ایک کتاب بعنوان

مکالمہ واتحاد بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں امکانات فوائد، تجاویز

سیرت طیبہؐ، اسوۂ انبیاء علیہم السلام اور کتب مقدسہ کے تناظر میں:

راقم (چیف ایڈیٹر: پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی) نے لکھی اور شائع کی ہے جس کا انگریزی مفہوم کچھ اس طرح ہے

Dialog on basic foundations of International Religions Possibilities, Benefits and Suggestions under the scope of Seerat-un-Nabi (Peace be upon him) and Seerat-ul-Ambia (Alehemsalam) and in the Light of Holy Books

اس کاوش کا بنیادی مقصد مندرجہ بالا بازگشت کو عملی جامہ پہنانے کیلئے علمی رہنمائی فراہم کرنا ہے بالخصوص اردو زبان کے قارئین کو غور وفکر کی دعوت کے ساتھ مکالمہ کے لئے تیار کرنا ہے کتاب کے اہم مباحث یہ ہیں۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور نو ابواب پر مشتمل ہے مقدمہ میں عہد حاضر کے حوالے سے سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں مکالمہ کی اہمیت، مکالمہ کی ضرورت مکالمہ کے اصول ودائرہ بحث اور رکاوٹوں، امکانات وفوائد سے بحث کی گئی ہے۔ مکالمہ کی تعریف وتعارف، ضرورت واہمیت اور مکالمہ کے ۲۵ آداب وشرائط سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

☆ اس کے علاوہ راقم (چیف ایڈیٹر) نے عالمی سطح پر مکالمہ کے فروغ کے لئے عربی میں ایک کتاب تحریر کی ہے، جس کا عنوان ہے:

اصول الحوار و آدابه في ضوء القرآن و السيرة النبوية ﷺ

مصنف :الأستاذ الدكتور صلاح الدين ثاني (زير طبع)

☆ متعدد مقالات مکالمہ بین المذاہب اور مکالمہ بین المسالک کے موضوع پر تحریر کئے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں۔

☆ اس سے قبل (۱۳ مئی ۲۰۰۶ء) کو ایک صوبائی سیرت النبی ﷺ کانفرنس بعنوان: ''غیر مسلموں کے حقوق اور ان سے حسن سلوک سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں'' بحیثیت چیف آرگنائزر و صدر انجمن، زیر اہتمام: انجمن اساتذہ علوم اسلامیہ کالجز کراچی، بمقام: سرسید گرلز کالج منعقد کی جس میں پیش کردہ مقالات مجلہ علوم اسلامیہ کے سیرت نمبر کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

☆ ۱۲ جون ۲۰۱۱ء کو قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس اسی حوالہ سے منعقد کی گئی، جس میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی مدعو کئے گئے۔ کانفرنس کا عنوان تھا:

مکالمہ بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں امکانات، فوائد اور تجاویز

Dialog between Religions, basics, possibi lities, benefit and suggestions under,The scopeof seerat-un-Nabi (ﷺ), Traitsof Prophets in the light of

the holy books.

دو روزہ قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس کے عنوان کو صوبائی اور وفاقی سطح پر سراہا گیا ہے جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے ہمارے اعلان کے (پانچ ماہ بعد) روزنامہ جنگ کراچی ۸/اکتوبر ۲۰۰۵ء کے وفاقی وزارت مذہبی امور کے اشتہار کے مطابق ربیع الاول ۲۰۰۶ء کی قومی وصوبائی سیرت کانفرنسوں کے لئے حکومت نے اسی موضوع کا انتخاب کیا تھا۔

ہمارے پاس قومی کانفرنس کے انعقاد کے لئے وسائل نہیں تھے، شعبہ عربی وفاقی اردو یونیورسٹی وHEC کے تعاون اور انجمن اساتذہ علوم اسلامیہ کے اشتراک سے جون ۲۰۱۱ء میں کانفرنس کے انعقاد میں کامیابی حاصل ہوئی ہے، جس پر ہم HEC وائس چانسلر وفاقی اردو یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر محمد قیصر اور صدر شعبہ ڈاکٹر قاری بدرالدین کے شکرگزار ہیں۔

اس دو روزہ کانفرنس کا انعقاد الحرمین ہوٹل صدر اور ڈاکٹر عبدالقدیر آڈیٹوریم وفاقی اردو یونیورسٹی میں ہوا، کانفرنس کی پانچ نشستوں میں اسلام، یہودیت، ہندومت، سکھ مت، عیسائیت، بدھ مت زیر بحث آئے، پورے ملک کی اہم جامعات و یونیورسٹیز سے تمام مکاتب فکر کے محققین نے اردو، عربی، انگریزی میں اپنے تحقیقی مقالات پیش کئے یہ تحقیقی مقالات اس مجلّہ کا حصہ ہیں، ان میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، سندھ یونیورسٹی جامشورو، پشاور یونیورسٹی خیبر پختون خواہ، پنجاب یونیورسٹی، بلوچستان یونیورسٹی، این ای ڈی یونیورسٹی کراچی فاسٹ یونیورسٹی کراچی، کراچی یونیورسٹی، قراقرم یونیورسٹی اور وفاقی یونیورسٹی اور سندھ کے مختلف شہروں لاڑکانہ، پنوعاقل، سکھر، حیدرآباد اور کراچی شامل ہیں، شرکاء کانفرنس کو سفری سہولیات کے ساتھ ساتھ قیام و طعام کی سہولت بھی فراہم کی گئی اور بیگ کے ساتھ سیرت النبی ﷺ حسن کارکردگی اور یادگاری ایورڈ مجلّہ علوم اسلامیہ اور قرون اولیٰ کی خواتین اور دور حاضر کی علمی و دینی خدمات پیش کی گئی۔
پیش کی گئی۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر احمد علی سراج صاحب کویت سے اپنے خرچ پر شریک ہوئے اسی طرح ڈاکٹر خالد محمود سومرو صاحب ممبر سینٹ آف پاکستان اسلام آباد سے اپنے خرچ پر شریک ہوئے، مردوں کے ساتھ خواتین بھی شریک ہوئیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ پانچوں نشستوں میں پیش کردہ مقالات پر آبزرور کی حیثیت سے پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج

صدیقی صاحب، پروفیسر ڈاکٹر ریحانہ فردوس صاحبہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد صدیقی صاحب، پروفیسر ڈاکٹر سلیمان ڈی محمد صاحب، پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید صدیقی صاحب، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن مدنی صاحب نے اپنی رائے و تجزیہ پیش کیا، پروفیسر بدرالزماں صاحب، ڈاکٹر عبدالماجد صاحب، پروفیسر حافظ ثناء اللہ صاحب، پروفیسر ڈاکٹر فرحت عظیم صاحبہ، ڈاکٹر عزیزالرحمٰن سیفی نے اسٹیج سیکریٹری کے فرائض انجام دیئے۔ کانفرنس میں پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خاکوانی، ڈاکٹر محی الدین ہاشمی، پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف، ڈاکٹر خالد محمود سومرو سینیٹر اور مفتی ابوہریرہ نے کلیدی خطاب کیا، پروفیسر ڈاکٹر محمد قیصر وائس چانسلر، وفاقی اردو یونیورسٹی نے کانفرنس کا افتتاح کیا اور افتتاحی خطاب کیا، ڈاکٹر احمد علی سراج نے اختتامی خطاب کیا، ڈاکٹر بدرالدین نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

قومی کانفرنس کا مشترکہ اعلامیہ:

چیف ایڈیٹر (ڈاکٹر صلاح الدین ثانی) نے تجاویز و مشترکہ اعلامیہ پیش کیا جس کے اہم نکات یہ تھے۔

☆ مکالمہ کی راہ اپنا کر انتہاء پسندی، دہشت گردی اور مذہبی منافرت کا خاتمہ کیا جائے۔

☆ طالبان سمیت تمام لڑنے والوں سے گفتگو اور مکالمہ کا راستہ اختیار کیا جائے تاکہ خون مسلم کا تحفظ ہو سکے۔

☆ عالمی طاقتوں کی جارحیت اور عالمی دہشت گردی تمام فتنوں کی بنیاد ہے، لہٰذا سبب کے خاتمہ پر توجہ دی جائے ردعمل خود ہی ختم ہو جائے گا۔

☆ بعض مغربی ممالک کی جانب سے توہین رسالت کے مرتکبین اور توہین آمیز خاکوں کی سرپرستی حجاب اور مسجد کے میناروں پر پابندی مفاہمت و مکالمہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

☆ مکالمہ بین المذاہب کے فروغ کے لئے وفاقی اور صوبائی سطح پر وزارت مذہبی امور میں ایک شعبہ قائم کیا جائے اور ایسے پروگراموں میں مالی معاونت کی جائے۔

☆ وفاقی اور صوبائی وزارت مذہبی امور کے زیر اہتمام ہر سال مکالمہ بین المذاہب یعنی Interfath Dialogue Day منایا جائے اور کانفرنس کا انعقاد کیا جائے، جس میں تمام مذاہب کے زعماء کو مدعو کیا جائے۔

☆ سیرت طیبہ ﷺ کو عام کرنے کے لئے تعلیمی اداروں کے نصاب میں سیرت طیبہ ﷺ کو شامل کیا جائے اور سیرت طیبہ ﷺ کے حوالہ سے کوئز اور تقریری مقابلوں کا انعقاد کیا جائے۔ تمام حاضرین نے ان تجاویز اور مشترکہ اعلامیہ کی مکمل تائید کی اور کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔

اس کانفرنس کا مقصد کسی مذہب کی برتری ثابت کرنا نہیں تھا، بلکہ جملہ اہم مذاہب کو باہم قریب لانا، نفرتوں اور بدگمانیوں کو دور کرتے ہوئے قرآنی تعلیمات (۸) کی روشنی میں ایسے مشترکہ نکات پر متفق کرنا ہے جن کے ذریعہ دنیا میں امن قائم ہو سکے، دنیا میں امن بذریعہ قوت کا فلسفہ ناکام ہو چکا ہے، لہٰذا تمام مذاہب کے لئے ہمارا پیغام ہے کہ **امن بذریعہ مکالمہ بین الادیان والمذاہب و بین العلماء کا آغاز ہونا چاہیے۔** آپ ﷺ نے دوسو سے زائد غیر مسلم وفود سے مکالمہ کیا، قرآن کریم کا اکثر حصہ مکالمہ پر مشتمل ہے، مکالمہ سنتِ رسول ﷺ ہے۔ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غیر سنجیدہ اور لاعلمی پر مبنی پروپیگنڈہ کے خاتمہ کے ساتھ ایک دوسرے کو سمجھنے کا آغاز ہونا چاہئے۔ یہی ہماری کوشش کا مقصد ہے۔

چیف ایڈیٹر

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

حواشی وحوالہ جات

۱۔ جنگ کراچی ۱۶ جنوری ۲۰۰۷ء

۲۔ ۱۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء روزنامہ جنگ کراچی

۳۔ M. Fethulla Gulen Towards a Global Civilisation of Love and Tolerance Light New Jersy, 2004,

۴۔ روزنامہ نوائے وقت ۱۶/اکتوبر ۲۰۰۸ء

۵۔ سہ ماہی مکالمہ بین المذاہب جنوری ۲۰۰۸ء ص/۳۴

۶۔ ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ، ج ۱۶، ش ۷، جولائی ۲۰۱۱ء، ص ۷۔۸

۷۔ ماہنامہ مکالمہ بین المذاہب، اپریل ۲۰۰۷ء، ج/۱، ش/۸، ص/۲۵ .

۸۔ سورۃ آل عمران، آیت ۶۴